© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 37, Sr.No.103, 2016 pp 19 - 38

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۷، اپریل۔جون ۲۰۱۶ء، شمارہ ۱۰۳

شیخ عبدالقادر کی تنقید نگاری

ڈاکٹر عارفہ شہزاد☆

Abstract:

Sheikh Abdul Qadir was a prominent critic of Urdu Literature in twentieth century. He adopted english as his medium of expression thats why his work remained unnoticed by Urdu readers. The reason behind choosing english as his medium of expression was to introduce importance of Urdu Literature to the new generation of his times much influenced by English Literature. Most of the youngsters getting education under British Educational System were dead sure that their own language and literature was inferior.In their view Urdu Literature was mere copy cat. It has nothing to offer them to enlighten their minds and souls.Sheikh Abdul Qadir by his critical essays and lectures made fruiteful efforts to change this mindset. Many critics started to write on valueable aspects of Urdu Literature after Sheikh Abdul Qadir's books of criticism got published.That was a big success indeed.Urdu writers followed his advices and many literary books on new subjects were written.Sheikh Abdul Qadir was definitely a trend setter critic .His critical opinions are still valid in one way or other. The discussions he initiated opened new doors in criticism of Urdu Literature. His literary criticism needs to be translated into Urdu to introduce him to wider circle of urdu readers.

Key Words: Sheikh Abdul Qadir.Criticism.Urdu Literature.In English Language. Twentieth Century. Famous Poets. Writers. Ghalib. Hali. Azad. Shibli. Sharar. Sershar. Sir Syed. Dagh. Iqbal.

شیخ عبدالقادر کا نام سنتے ہی یا تو اقبال کے شعری مجموعے بانگ درا کا دیباچہ یاد آجاتا ہے یا رسالہ مخزن کے حوالے سے اردو کی ترویج کے لیے ان کی خدمات ذہن میں گونجنے لگتی ہیں۔ بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر نے اردو ادب پر بہت عمدہ تنقیدی مضامین قلمبند کیے جو بعد ازاں کتابی شکل میں بھی شایع

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، جامعہ پنجاب لاہور۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے۔ یہ مضامین انگریزی زبان میں تحریر کیے گئے۔ نیز انگریزی زبان میں اردو ادب پر لکھی گئی تنقید میں ان مضامین و کتب کو زمانی تقدم حاصل ہے۔ انگریزی زبان میں اردو ادب کی تنقید کے موضوع پر بات کرتے ہوئے سب سے پہلا سوال یہی اُٹھتا ہے کہ آخر ''زبانِ غیر سے شرحِ آرزو'' کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ عصرِ حاضر میں انگریزی زبان کی غالب حیثیت کے پیشِ نظر، اس سوال کا جواب واضح ہے اور وہ یہ کہ عالمی سطح پر اردو ادب کے تعارف اور قدر شناسی کی راہیں ہم وار کرنے کی غرض سے انگریزی زبان کو وسیلۂ اظہار بنانا ناگزیر تھا۔ تاہم برصغیر کی سیاسی تاریخ کے تناظر میں، مذکورہ سوال کا جواب نسبتاً گہرے تجزیے کا متقاضی ہے۔ معلوم حقائق کے مطابق انگریزی زبان میں اردو ادب کی تنقید کا آغاز انیسویں صدی کے آخر میں ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب برصغیر میں برطانوی راج مستحکم ہو چکا تھا۔ انگریزوں کی حکومت کے سبب، انگریزی نظامِ تعلیم اور زبان و ادب کو غلبہ حاصل تھا۔ مقامی زبان و ادب اور مشرقی نظامِ تعلیم معتوب ٹھہرے تھے۔ انگریزی نظامِ تعلیم کے تحت پڑھنے والے اذہان کے نزدیک، حاکم قوم کی زبان و ادب کی تعلیم معراجِ کمال تھی۔ غلامانہ ذہنیت کے حامل اس مقامی طبقے کے ہاں انگریزی ادب کی مداحی اور کورانہ تقلید عام تھی۔ بنا بریں مقامی ادب، بالخصوص اردو ادب کی عظیم کلاسیکی روایت کے قدر شناس عنقا تھے۔

اس دور میں اردو ادب کے نام لیواؤں کی آنکھیں بھی انگریزی چراغوں کی روشنی سے خیرہ ہو رہی تھیں۔ سرسید احمد خان نے انگریزی طرز کی سادہ و دل نشیں نثر کی تحریک چلائی تو انجمنِ پنجاب کے پلیٹ فارم سے حالی اور آزاد نے نظمِ جدید کی راہیں ہم وار کرنے کی ٹھان لی۔ ان کوششوں کے ثمرات اور مثبت اثرات سے انکار نہیں مگر اس کا قابلِ افسوس پہلو یہ ہے کہ نئی نسل میں اپنے ادبی سرمایے کے حوالے سے احساسِ کم تری پروان چڑھنے لگا۔

مذکورہ صورتِ حال میں، شیخ عبدالقادر وہ پہلے نقاد تھے جنھوں نے اپنی تہذیبی و ثقافتی ذمہ داری کو محسوس کیا اور اردو ادب کی حمایت میں قلم اُٹھایا۔ ان کا مخاطب مقامی انگریزی دان بلکہ انگریزی پرست طبقہ تھا۔ اس لیے انھوں نے انگریزی زبان کو ذریعۂ اظہار بنایا۔ چناں چہ اردو شاعروں اور نثر نگاروں کی تنقید پر مبنی ان کی کتاب The New School of Urdu Literature، ۱۸۹۸ء میں سامنے آئی۔ شیخ عبدالقادر کی کتاب The New School of Urdu Literature جس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۴۱ء میں ***Urdu Literature of Nineteenth Century*** کے نام سے شائع ہوا، دراصل یہ ان لیکچرز کا مجموعہ ہے جو انھوں نے ینگ محمڈن ایسوسی ایشن (Young Muhammadan Association) کے مختلف اجلاسوں میں دیے۔ بعدازاں یہ لیکچرز مقامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انگریزی رسائل و جراید میں طبع ہوئے۔ اس سلسلے کا سب سے پہلا مضمون "Urdu Literature" تھا جو ''پنجاب میگزین'' میں اگست ۱۸۹۳ء میں چھپا۔ اس مضمون میں اردو ادب کی اہم اصناف اور ان کے نمایاں مصنفین کی تحریروں کا اجمالی تعارف پیش کیا گیا تھا۔ نیز انگریزی ادب سے متاثرہ اذہان کی جانب سے اردو ادب پر لگائے جانے والے الزامات کا دفاع کرنے کی سعی کی گئی تھی تاکہ لوگ اردو ادب کے مطالعے اور تفہیم کی جانب راغب ہوں۔ اس کے بعد شیخ عبدالقادر نے "Azad and His Works" اور "Hali and His Writings" کے عنوان سے مزید دو مضامین لکھے جو ینگ مین محمڈن ایسوسی ایشن ہی کے مختلف اجلاسوں میں پیش کیے گئے۔ یہی مضامین بعدازاں پنجاب آبزرور میگزین (Punjab Observer Magazine) کی علی الترتیب ۳۱ر اکتوبر ۱۸۹۳ء اور ۱۶ر مئی ۱۸۹۶ء کی اشاعتوں میں شایع ہوئے۔(1) جب ان مضامین کو کتابی شکل میں یک جا کرنے کا خیال آیا تو شیخ عبدالقادر نے مزید تین مضامین قلم بند کیے جو ڈپٹی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار اور عبدالحلیم شرر کی حیات و ادبی خدمات سے متعلق تھے۔ یوں کل چھے مضامین کا یہ مجموعہ The New School of Urdu Literature کے نام سے ۱۸۹۸ء میں آبزرور پریس (Observer Press) لاہور سے شایع ہوا۔ دیباچے میں شیخ عبدالقادر نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ کتاب کا موضوع اردو میں جدید دبستان کے نمائندہ، معاصر زندہ نثر نگار اور شعرا ہیں۔ کلاسیکی طرز کا حامل ہونے کی بنا پر امیر مینائی اور داغ کو شاملِ کتاب نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں کتاب کی طباعت و تحریر کے وقت تک چوں کہ سرسید احمد خان وفات پا چکے تھے اس لیے جدید نثر کا نمائندہ ادیب ہونے کے باوجود انھیں موضوع نہیں بنایا گیا۔(2)

محولہ بالا کتاب، اردو ادب کی تنقید پر انگریزی زبان میں لکھی جانے والی کتب کے سلسلے میں اپنی اشاعتی تقدیم کی بنا پر مسلمہ اہمیت کی حامل ہے۔ یہ کتاب اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس کی اشاعت کا محرک جذبہ اردو ادب کے مطالعے اور تنقید کی فضا قائم کرنا تھا۔ کتاب کی پہلی اشاعت، مطبوعہ ۱۸۹۸ء کے دیباچے میں، شیخ عبدالقادر نے اس توقع کا اظہار کیا ہے کہ مذکورہ کتاب کی اشاعت دیگر ناقدینِ ادب کے لیے مہمیز کا کام کرے گی اور وہ بھی اردو ادب پر طبع زاد اور غیر جانب دار تنقیدی مضامین لکھ کر اس کی قدر و قیمت کا احساس اُجاگر کریں گے:

> "In conclusion I have to express a hope that this attempt will lead to the further efforts in the direction of original and independent criticism of our literature......" (3)

اسی طرح کتاب کے دوسرے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۲۱ء کے دیباچے میں خصوصیت سے اس بات کا ذکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ اس کتاب کا مخاطب مقامی انگریزی دان طبقہ تھا جو اردو ادب کو کسی شمار و قطار میں نہ لاتا تھا۔ شیخ عبدالقادر ان مضامین کے ذریعے انھیں اردو ادب کے مطالعے کی طرف مائل کرنا چاہتے تھے:

> "......A very few English knowing people cared for Urdu in those days and object of these essays was to invite them to a study of their own literature." (4)

محولہ بالا اقتباسات سے اردو ادب پر انگریزی زبان میں تنقید لکھے جانے کے محرکات کا پتا چلتا ہے۔ واضح رہے کہ ان میں نمایاں ترین محرک یہی تھا کہ نئی نسل جو انگریزی تہذیب و ثقافت کے رنگ میں اس درجہ رنگی ہوئی تھی کہ انھیں اپنے ادب سے شغف تو درکنار اس کی آگاہی تک نہ تھی، انھیں اس جانب راغب کیا جائے کیوں کہ مذکورہ صورتِ حال اپنی جڑوں سے محبت کرنے والے ادیبوں کے لیے تکلیف دہ تھی چناں چہ اس کے مداوے کے لیے انگریزی زبان کا سہارا لیا گیا۔

مذکورہ کتاب نے اپنی تنقیدی اہمیت کی بنا پر جلد ہی علمی حلقوں میں جگہ بنا لی اور اسے پنجاب یونی ورسٹی کے مقابلے کے امتحان میں شاملِ نصاب کر لیا گیا۔ شاملِ نصاب ہونے کی بنا پر اس کتاب کی مانگ میں اضافہ ہو گیا چناں چہ دوسرے ایڈیشن کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ دریں اثنا شیخ عبدالقادر کو پنجاب یونی ورسٹی کی طرف سے غالب اور مابعد کے اہم ادبا و شعرا پر انگریزی زبان میں لیکچرز دینے کی دعوت دی گئی۔ دوست احباب کے اصرار پر مذکورہ لیکچرز کی تفہیم کے لیے پس منظری بنیادیں فراہم کرنے کی غرض سے اور طالب علموں کی ضرورت کے پیشِ نظر، شیخ عبدالقادر نے ۱۹۲۱ء میں لاہور کے اشاعتی ادارے شیخ مبارک علی تاجر کتب سے اس کا دوسرا ایڈیشن چھپوایا۔ بیس سال کے دورانیے میں مذکورہ ایڈیشن بھی مارکیٹ میں کم یاب ہو گیا۔ اس کتاب کی تنقیدی اہمیت کے پیشِ نظر، شیخ عبدالقادر کے دوست نصیر الدین ہمایوں نے اصرار کیا کہ اس کا نیا ایڈیشن چھپنا چاہیے۔ چناں چہ نصیر الدین ہمایوں ہی کے اشاعتی ادارے قومی کتب خانہ، لاہور سے مذکورہ کتاب کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۴۱ء میں چھپا۔ اس ایڈیشن میں کتاب کا نام تبدیل کر کے Urdu Literature of Nineteenth Century رکھ دیا گیا۔ نام کی تبدیلی کی وجہ بیان کرتے ہوئے شیخ عبدالقادر، دیباچے میں لکھتے ہیں:

> "......The name has now become inappropriate, as every one of the authors dealt with in the book has passed away from this world and a still newer school of writers has taken the place of the school that existed about the end of the last century. Perhaps it would be more correct to give another name to this book and to call it Urdu Literature of the Nineteeth Century." (5)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا کتاب کا موضوع بننے والے ادیبوں کے وفات پا جانے اور پھر وقت کے ساتھ اردو ادب کے منظرنامے پر نئے رجحانات کے فروغ پانے کے سبب اس کتاب کے نام کی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی۔

زیرِ بحث کتاب میں، مضامین کے پاورق میں حواشی کے اندراج کا اہتمام بھی ملتا ہے۔ ان میں کچھ حواشی تو معلوماتی نوعیت کے ہیں جن میں متعلقہ مضامین کی، رسائل و جراید میں اشاعت سے متعلق تفصیلات دی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی مندرج ہے کہ ان میں سے کون سا مضمون ینگ مین محمڈن ایسوسی ایشن کے کس اجلاس میں پڑھا گیا(6) اور چند حواشی توضیحی نوعیت کے ہیں جن میں اختلافی امور پر بحث کی گئی ہے۔ مزید برآں دوسرے اور تیسرے ایڈیشن کے حواشی میں معاصر دور میں سامنے آنے والی اہم مطبوعہ کتب سے متعلق معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں۔(7) یوں یہ حواشی تحقیقی لحاظ سے نہایت مفید ہو گئے ہیں۔ ان حواشی کو معاصر دور میں شایع ہونے والی اہم کتب کا اشاریہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا نیز یہ حواشی شیخ عبدالقادر کی وسعتِ مطالعہ کا بھی ثبوت ہیں۔ وسیع مطالعے کے سبب ہی ان کی تنقید کا انداز مدلل اور متوازن ہے۔

اردو ادب پر تنقید کرتے ہوئے، شیخ عبدالقادر کسی بھی مصنف و شاعر کے سیاسی و سماجی پس منظر کی تفہیم کو، فن پارے کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم قرار دیتے ہیں۔ ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسی صورت میں کسی تحریر کی تعینِ قدر ممکن ہے۔ اردو ادب کے مخالفین، بالعموم لکھنوی طرز کی شاعری سے برافروختہ ہیں اور مے و مینا یا زلف و رخسار کے مضامین کے انبار کے سبب، لکھنوی شعرا کو پسند نہیں کرتے۔ شیخ عبدالقادر انشا اور جرأت کی شاعری کی قدر و قیمت کی جانچ پرکھ کے لیے اس دور کے عمومی مزاج کو پیشِ نظر رکھنے پر زور دیتے ہیں۔(8) ان کے خیال میں کسی فن پارے کو صحیح تناظر میں سمجھنے کے لیے فن کار کے ماحول اور حالاتِ زندگی وغیرہ کا مطالعہ ازبس ضروری ہے۔ اسی لیے وہ چاہتے ہیں کہ اردو کے اہم ادیبوں اور شاعروں کی سوانح حیات احاطۂ تحریر میں لائی جائیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ اگر ادیبوں کے احوال ان کی زندگی ہی میں قلم بند کر لیے جائیں تو بہت سی تحقیقی غلطیوں سے بچا جا سکتا ہے۔ اس امر کا قوی امکان ہے کہ متعلقہ ادیب کے انتقال کے سبب اس کی حیات کے کئی ایسے گوشے نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں جن کا کوئی راوی نہیں۔ ظاہر ہے ایسے مستور پہلوؤں سے وہی ادیب خود آگاہ کر سکتا ہے اور وفات کی صورت میں یہ امکان معدوم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حالی، سرشار، آزاد اور نذیر احمد پر لکھے گئے مضامین میں، شیخ عبدالقادر اس امر پر شکوہ کناں ہیں کہ ان مصنفین کے حالاتِ زندگی سے آگہی نہ ہونے کے برابر میسر ہے چناں چہ ان کی تحریروں کے محرکات کی تفہیم اور تجزیے میں بسا اوقات دشواری محسوس ہوتی ہے۔(9)

شیخ عبدالقادر ادب میں افادیت پسندی کے قائل ہیں۔ اسی لیے اخلاقی رباعیات پر مشتمل ہونے کے سبب اردو مراثی ان کی پسندیدہ صنفِ سخن ٹھہرتے ہیں جب کہ قصائد کو، وہ ان کی حد درجہ مبالغہ آرائی کی وجہ سے اردو ادب کی نمائندہ صنف ہی نہیں مانتے۔(10) قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ میر انشا اللہ خان انشا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاعری کو تو وہ ماحول اور معاشرے کے تناظر میں سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں مگر قصائد کے ضمن میں اپنا ہی تشکیل کردہ یہ کلیہ فراموش کر دیتے ہیں۔ دراصل شیخ عبدالقادر کے اس رویے کے پس پشت ان کی افادیت پسندی ہی کارفرما ہے۔ انشا کی لکھنوی طرز سے مخصوص شاعری سے وہ اس لیے مفاہمت کرنے کو تیار ہیں کہ اسی شاعر کے ہاں حقائق زندگی کے ترجمان اشعار بھی مل جاتے ہیں جو انھیں مرغوب ہیں۔ دوسری طرف قصیدہ گویوں کے ہاں اخلاقی مضامین نہ ہونے کے سبب انھیں محض ان کی لفظی صنعت گری نظر آتی ہے۔ نیز وہ قصائد کو انکی حد درجہ مبالغہ آرائی کی بنا پر کذب و افترا کا دفتر کہتے ہیں۔

اسی افادی نقطۂ نظر کے سبب، شیخ عبدالقادر نے اپنے ان مضامین میں، اردو ادب کے مشاہیر کے خطوط کی اشاعت نیز ان کی سوانح نگاری پر اصرار کیا ہے تاکہ مشاہیر ادب کی زندگیوں کے گوناگوں پہلوؤں کا مطالعہ عوام الناس کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو۔ حالی کی ''مسدس مدوجزرِ اسلام'' کی پسندیدگی کی تہ میں بھی اسی افادیت پسندی کا جذبہ موجزن ہے۔ اسی لیے حالی انھیں دل سے قریب اور ''محرم راز'' لگتے ہیں۔(11)

شیخ عبدالقادر ان معدودے چند نقادوں میں سے ہیں جن کی تنقید، ادب کو بنیادیں فراہم کرتی ہے۔ چناں چہ مذکورہ کتاب کی اشاعت کے بعد ان کے بہت سے مشوروں پر عمل، نئی اصناف پر مشتمل کتب کی تحریر و اشاعت کی صورت میں سامنے آیا۔ ان میں سے بیش تر اہم کتب کا حوالہ اسی کتاب کے دوسرے اور تیسرے ایڈیشن کے حواشی میں مذکور ہے۔

شیخ عبدالقادر نے انگریزی نظامِ تعلیم کے تحت پڑھا تھا۔ اس زمانے کے عام مذاق کے مطابق، ان کا انگریزی ادب کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ان کی تنقید کا مخاطب بھی نئی نسل کا وہ طبقہ تھا جو انگریزی نظامِ تعلیم کی گود میں پلا تھا۔ اسی بنا پر اپنے ان قارئین کی تفہیم کی سہولت کی غرض سے انھوں نے اردو کے مصنفین کا تقابل، اہم انگریزی مصنفین سے کیا ہے۔ یہ بات بھی یقیناً ان کے پیشِ نظر ہے کہ اردو ادب کے لکھنے والے، ترقی یافتہ زبانوں کے ادیبوں سے، صلاحیت میں کسی طور کم نہیں ہیں۔ یہی احساس وہ اپنے قارئین میں بھی اُجاگر کرنا چاہتے ہیں۔ اسی مقصد کے تحت شیخ عبدالقادر نے غالب کی مشکل پسندی کو جانسن (Johnson) کے مترادف(12)، ڈپٹی نذیر احمد کی مزاح نگاری کو مارک ٹوئن (Mark Twain) سے مشابہ(13) اور شرر کی ناول نگاری کو والٹر سکاٹ(Walter Scott) جیسا(14) کہا ہے۔ نیز وہ اردو کے سوانح نگاروں میں جیمز بوزویل(James Boswell) جیسا(15) سوانح نگار چاہتے ہیں جو معاصر ادیبوں کی سوانح محفوظ کر لے۔ اسی طرح شرر کے رسالہ ''دل گداز'' میں چھپنے والے مضامین کا موازنہ انگریزی جریدوں "Spectator" اور "Ramblor" کے مضامین سے کرتے ہیں۔(16) مزید برآں سرشار کے ''فسانۂ آزاد'' کے کردار کھوجی کو بنت میں، ایک فرنچ ناول کے کردار ڈان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو ہیٹے (Don Quixot) جیسا کہتے ہیں۔(17)

شیخ عبدالقادر کے اندازِ تنقید میں فن پاروں کا مثبت پہلو دیکھنے کا رجحان نمایاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''آبِ حیات'' سے جنم لینے والے مومن و غالب کے قضیے میں آزاد کی استاد پرستی کی روش کو وہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ شیخ عبدالقادر کا اسلوبِ تنقید ''سب ٹھیک ہے'' کے نعرے پر استوار ہے۔ وہ ادیبوں کی تحریروں میں خامیوں کی نشان دہی بھی کرتے ہیں مگر ان کا لب و لہجہ نرمی کے سبب، تعمیری اندازِ تنقید کا نمائندہ ہے۔ اس ضمن میں واضح مثال رتن ناتھ سرشار پر لکھا گیا مضمون ہے۔ اس میں انھوں نے سرشار کی ناول نگاری کی تعریف کے ساتھ ساتھ، اس کی طوالت پسندی اور بسیار نویسی پر نکتہ چینی کی ہے مگر ان کے تنقیدی لہجے میں درشتی یا تضحیک کا شائبہ تک نہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی ہم درد ناصح، مصنف کی غلطیوں کی اصلاح چاہتا ہے اور اسی غرض سے نکتہ چیں ہے۔

یوں مجموعی حیثیت میں دیکھا جائے تو انگریزی زبان میں اردو ادب پر لکھی جانے والی پہلی تنقیدی کتاب ہی اپنے جملہ محاسن کی بنا پر، معیاری نمونۂ تنقید ہے۔ اس کتاب نے ایسے مباحث کو جنم دیا جس نے ناقدین کی آئندہ نسل کو متاثر کیا۔ بغرضِ مثال، یہاں طوالت سے محفوظ رہنے کے لیے محض ایک حوالہ دینے پر اکتفا کیا جا رہا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد ہی مختلف مقالات و مضامین میں سرشار اور شرر کی ناول نگاری کے تقابل و ترجیح کا مسئلہ زیرِ بحث آنے لگا۔ ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ شیخ عبدالقادر کی توقعات کے عین مطابق، اردو ادب ناقدین کی توجہ کا مرکز بننے لگا اور یکے بعد دیگرے، طبع زاد مضامین و کتب کی طباعت و اشاعت کا سلسلہ چل نکلا۔ یقیناً یہ امور اس کتاب کی کامیابی کی دلیل ہیں۔

شیخ عبدالقادر کتاب کی محولہ بالا کتاب کے بعد ان کے تنقیدی لیکچرز کا ایک اور مجموعہ، کتابی شکل میں Urdu Language and Literature کے نام سے سامنے آیا۔ یہ کتاب الٰہ آباد یونی ورسٹی سے ۱۹۴۶ء میں چھپی۔ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۶ء تک کے دوران میں، شیخ عبدالقادر نے اردو ادب کے موضوع پر انگریزی زبان میں الٰہ آباد یونی ورسٹی میں جو لیکچرز دیے وہی اس کتاب میں یک جا کر دیے گئے ہیں۔ ان لیکچرز یا مضامین کے عنوانات درج ذیل ہیں:

1- The Origin and Growth of Urdu Language and Literature
2- Progress of Urdu Poetry
3- Some Varities of Urdu Prose and their development
4- Urdu Journalism
5- Urdu Drama
6- The Mersia or Elegic Literature
7- Urdu as a Medium of Oratory
8- Some Modern trends in Urdu Literature

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذکورہ کتاب کا دیباچہ الٰہ آباد یونی ورسٹی کے وائس چانسلر، ڈاکٹر امرناتھ جھا نے تحریر کیا ہے۔ دیباچے میں، شیخ عبدالقادر کی تنقیدی صلاحیتوں کی ان الفاظ میں تعریف کرتے ہیں:

"In those lectures he has attempted the rapid survey of Urdu Literature. It is a task that could have been performed by one, who has wide knowledge, sound judgement and acute power of critical analysis." (18)

اس کتاب کے مختلف مضامین، ڈاکٹر امرناتھ جھا کی اس رائے پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔ تمام مضامین سے شیخ عبدالقادر کا تبحر علمی، تجزیاتی صلاحیت اور طبع زاد تنقیدی رائے واضح ہے اور یہی خواص ان کی تنقید کا طرۂ امتیاز ہیں۔ کتاب میں شامل پہلے ہی مضمون "Origin and Growth of Urdu Literature" سے ان کی مذکورہ صلاحیتیں نمایاں ہیں۔ بالخصوص یہ کہ وہ دیگر ناقدین و محققین کے نظریات کے مقلدِ محض نہیں بلکہ شواہد کی روشنی میں خود نظریہ قائم کرتے ہیں مثلاً اردو کے آغاز و ارتقا سے متعلق اس مضمون کے مباحث، ہماری رائے کی توثیق کرتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر نے پہلے تو حافظ محمود شیرانی کے پنجاب میں اردو کے نظریے اور اس کے مویدین کی آرا کا تذکرہ کیا ہے اور پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اردو کا مولد پنجاب یا ہندوستان کا کوئی خاص علاقہ نہیں۔ ہندوستان کے تمام علاقوں کی مقامی بولیوں اور مسلم فاتحین کی زبانوں مثلاً عربی، فارسی اور ترکی الفاظ کے باہم اختلاط و انجذاب سے اردو صورت پذیر ہوئی۔ بنابریں یہ واضح ہے کہ اردو درآمدہ زبان نہیں بلکہ اس کا خمیر اسی سرزمین کی خاک سے اٹھا ہے۔(19)

اسی طرح میر و سودا کے ضمن میں آبِ حیات کے حوالے سے، آزاد کی یہ رائے ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گئی ہے کہ میر کا کلام ''آہ'' اور سودا کا کلام ''واہ'' ہے۔ زیر بحث کتاب میں مشمولہ مضمون "Progress of Urdu Poetry" میں شیخ عبدالقادر نے اس نقطۂ نظر سے اختلاف کرتے ہوئے اگرچہ واضح طور پر آزاد کا نام تو نہیں لیا مگر ''آبِ حیات'' کے تذکرے سے مضمون کے آغاز کے سبب قرین قیاس یہی ہے کہ آزاد ہی کی مذکورہ تنقیدی رائے کی تردید مقصود ہے۔ چناں چہ لکھتے ہیں:

"Sauda, whose mastery of Urdu verse is also unquestioned, has often been compared with Mir but their respective tastes and inclinations differ so materially from one another that there is hardly any real basis of comparison. Sauda has a special aptitude for satire, which Mir altogether lacks. Sauda has a fiery tongue and an equally fiery pen, while Mir was one of mildest of men, gifted with a loving

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

disposition. Sauda was good at writing Qasidas or Panegyrics, praising the great, while Mir hardly wrote any verse of flattery. Thus Sauda excells in Qasidas and Mir in Ghazals." (20)

گویا ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ شاعری میں میر اور سودا کا اپنا اپنا مقام ہے۔ میر غزل کے بادشاہ ہیں تو سودا قصائد کے۔ انیس و دبیر کے معاملے میں اٹھائے جانے والے تنقیدی مباحث کے ضمن میں بھی ان کی رائے اس نوع کی اعتدال پسندی پر مبنی ہے۔ ان کے مطابق، دبیر مرثیہ نگاری میں انیس سے کسی طور کم نہیں۔ دونوں کے اپنے اپنے امتیازات ہیں جن کی بنا پر مرثیہ نگاری میں ان کا منفرد مقام ہے اس لیے ایک کو دوسرے سے کم تر قرار دینا درست نہیں۔(21)

ادوار بندی، اصناف و مصنفین کے فکری وفنی ارتقا کی تفہیم میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ بنا بریں اچھے نقاد کو اس ہنر سے آگاہ ہونا چاہیے۔ شیخ عبدالقادر ادوار بندی کا شعور رکھتے ہیں تاہم ان کی اردو شاعری کی ادوار بندی کو، آزاد کی آب حیات میں مبینہ شعری ادوار کی توسیع قرار دینا چاہیے۔ آبِ حیات میں آزاد نے اردو شاعری کے پانچ ادوار قائم کیے ہیں۔ شیخ عبدالقادر نے اس دائرے کو معاصر دور تک وسیع کرتے ہوئے مزید دو ادوار بیان کیے ہیں۔ وہ چھٹے دور میں انیسویں صدی کے شعرا اور ساتویں دور میں بیسویں صدی کے آغاز کے نمایاں شعرا کا شمار کرتے ہیں۔ مزید برآں وہ چھٹے دور کو شعرا کے اسلوب کی بنا پر دو ذیلی گروہوں میں بانٹتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو کلاسیکی طرز کا حامل ہے مثلاً امیر مینائی، داغ دہلوی، ریاض خیر آبادی اور جلال لکھنوی وغیرہ اور دوسرا گروہ وہ ہے جن کے ہاں جدید رنگِ شعر حاوی ہے مثلاً حالی، اکبر اور اسمٰعیل میرٹھی وغیرہ۔

شیخ عبدالقادر نے ساتویں دور کے اہم شعرا کے جو نام گنوائے ہیں، اس سے ان کی تنقیدی پرکھ کا ثبوت ملتا ہے۔ جن شعرا کو انھوں نے اس دور کے اہم ابھرتے ہوئے شاعر قرار دیا ہے آج اردو ادب میں ان کی شاعرانہ حیثیت مسلم و مستند ہے مثلاً جگر مراد آبادی، یاس یگانہ، حسرت موہانی، اصغر گونڈوی، فانی بدایونی، جوش ملیح آبادی، ساغر نظامی، حفیظ جالندھری، احسان بن دانش اور ماہر القادری وغیرہ۔

شیخ عبدالقادر اپنی روایات اور تہذیب و ثقافت سے محبت کرنے والے نقاد ہیں چناں چہ مغربی ادب کی اندھا دھند نقالی کے مخالف ہیں۔ لکھتے ہیں:

"We should also be on our gaurd against slavishly imitating Western models of literature. Let us adopt what is good inthem, but there may well be some elements in them which are not healthy in

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> themselves or at least do not suit our environment or the genius of our language. No real progress can be made by simple imitating others." (22)

اپنی تہذیب و ثقافت اور ادبی روایت سے محبت کرنے کے سبب ہی وہ کلاسیکی غزل پر لگائے جانے والے الزامات کا بھرپور دفاع کرتے ہیں نیز اس زمانے میں جب جوش جیسے مغرب زدہ نقاد، غزل کو یک سر مسترد کرنے پر تلے ہوئے تھے اور انگریزی طرز کی نظموں کے گن گا رہے تھے تو شیخ عبدالقادر ہی تھے جنھوں نے غزل کی حمایت میں آواز اٹھائی اور کہا کہ غزل اب بھی اتنی توانائی رکھتی ہے کہ ادب میں اپنا مقام بنا سکے بشرطے کہ اعلیٰ درجے کی غزلیات سامنے آئیں۔ لکھتے ہیں:

> "I am among those who think that the ghazal can still retain its place in Urdu Literature for a considerable time but that place is only for the best specimens of ghazals." (23)

زیرِ بحث کتاب میں، شیخ عبدالقادر نے معاصر ادب میں پنپنے والے جدید رجحانات کی بھی نشان دہی کی ہے مثلاً شاعری میں کلاسیکی روایت کے برعکس محبوبہ کو براہ راست مخطب کرنے کا انداز، مروجہ اخلاقی تصورات سے بغاوت، اشتراکی نظریات اور سوشلسٹ رویوں کا فروغ، طوائفیت کی مظلومیت کی عکاسی وغیرہ۔ بالخصوص مضمون "Some Modern Trends in Urdu Literature" کا موضوع یہی مذکورہ رجحانات ہیں۔

ایک مخلص نقاد کا فریضہ نبھاتے ہوئے، شیخ عبدالقادر نا صرف ادب کی مختلف اصناف کی کجیاں اور خامیاں بیان کرتے ہیں بلکہ اس کی درست سمت متعین کرنے کی غرض سے مشورے بھی دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے جن باتوں پر زور دیا ہے ان میں اہم درج ذیل ہیں:

۱۔ غیر ملکی زبانوں کے علاوہ علاقائی زبانوں سے بھی اردو میں تراجم کیے جانے چاہییں تا کہ ملک کے مختلف علاقوں کے لوگوں میں فکری ہم آہنگی پیدا ہو۔

۲۔ شاعرات کو خالصتاً اپنے صنفی جذبات اور نزاکتوں کو شعر کا موضوع بنانا چاہیے تا کہ ان کی شاعری مردوں سے منفرد نظر آئے۔ اسی صورت ان کی شاعری ادب میں اہم اضافہ ثابت ہوگی۔

۳۔ رسائل و جراید کے مضامین کا انتخاب شایع ہونا چاہیے۔

۴۔ تاریخِ ادبِ اردو کی کتب احاطۂ تحریر میں لائی جانی چاہییں۔

۵۔ مترجمہ ڈراموں کی پیش کش کی بجائے ضرورت اس امر کی ہے کہ طبع زاد حقیقی زندگی کے عکاس ڈرامے پیش کیے جائیں۔

© rasailojaraid.com